اور اس کی آنکھوں میں زندگی کی نرمی اور محبت اتر آئی۔ اس تھوڑے سے وقت میں ہی اس نے اپنے آپ کو پھر اسی پرانی دنیا کا مسرور و توانا انسان محسوس کیا۔ ایک مقصد کے لیے کام کرنے والے لوگوں میں زندگی اور رفاقت کی ایسی بے پناہ قوتیں ہوتی ہیں۔

عذرا کو اطلاع ملنے میں تاخیر ہو گئی تھی۔ وہ اسے دلی کے سٹیشن پر ملی۔

''روشن محل چلیں گے؟'' نعیم نے پوچھا۔

''نہیں۔ روشن پور جائیں گے۔ میں نے ٹکٹ لے لیے ہیں۔'' عذرا نے کہا۔

سفر کے دوران نعیم لوگوں کی نگاہوں سے بے خبر اس کے دونوں کندھوں پر بازو رکھے محویت سے اسے دیکھتا رہا۔ ان سارے سالوں نے عذرا میں کوئی تبدیلی پیدا نہ کی تھی۔ وہ اسی طرح حسین اور شاندار تھی۔ اس کا بدن زندہ مچھلی کی طرح سخت اور چکنا تھا۔ صرف اس کے چہرے پر زردی تھی اور آنکھوں کے گرد کی جلد سنولا گئی تھی، جس سے ایک طویل، خاموش اذیت کا پتا چلتا تھا۔ لیکن اس کے ہونٹ اسی طرح بھرے ہوئے اور نم تھے۔ نعیم کے ذہن میں ایک پرانا، مضحک خیال ابھرا کہ اگر ان ہونٹوں کو انگلیوں میں پکڑ کر آہستہ سے دبایا جائے تو یہ پھٹ جائیں گے اور ان میں سے رس بہنے لگے گا۔ اس نے چپکے سے مسکرا کر عذرا کو اپنے ساتھ لگا لیا اور اس کا دل ایک طاقتور احساس سے بھر گیا، قوی انسانی رشتوں کا احساس، جس سے وہ ایک لمبی مدت تک ناآشنا رہا تھا۔

شام [illegible] وہ روشن پور پہنچے [illegible] کو نعیم نے آہستہ سے چھوا، پھر وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا، اندھیرے میں اس نے بہتے ہوئے پانی کے ہلکے شور کو سنا اور رات کے پھولوں کی خوشبو کو چاروں طرف پھیلتے ہوئے محسوس کیا۔ دونوں رکھوالے کتے عذرا کے ساتھ ایک اجنبی کو دیکھ کر چونکے اور کان کھڑے کر کے ہوشیاری سے دم ہلانے لگے۔ تناور درختوں کے نیچے نیچے تاریک، سرد راستوں پر سے گزرتے ہوئے نعیم نے جسم پر خوشگوار تھکن اور بھوک محسوس کی۔ درختوں پر دن کے پرندے سونے سے پہلے شور مچا رہے تھے اور رات کے خاموش پرندے پھڑ پھڑا کر اڑ رہے تھے۔

نعمت خانے میں داخل ہو کر نعیم نے کہا:

''ہم یہاں بیٹھ کر کھائیں گے۔'' اور فرش پر بیٹھ گیا۔

''اچھا۔'' عذرا نے خوشی سے جواب دیا۔ وہاں بیٹھ کر انہوں نے جنگلی پرندوں کا بھنا ہوا گوشت کھایا جو گرم اور قوت بخش تھا۔ اس کے بعد انہوں نے قہوہ پیا جو روشن محل کی خوشبودار چائے کی پتیوں کا تھا۔ قہوے کے دوران عذرا کی نظر نعیم کے بازو پر پڑی اور وہ چونک اٹھی۔ پھر بغیر کچھ کہے اس نے رنجیدگی سے لکڑی کی ٹوٹی ہوئی انگلی کو چھوا۔ نعیم کی زبان پر غلیظ سی گالی آئی جسے وہ بمشکل روک سکا۔ ''انہوں نے توڑ دی ہے۔'' اس نے جلدی سے بات ختم کر دی۔ مسرت کے اس وقت میں جب کہ خوش ذائقہ کھانے سے اس کا پیٹ بھرا ہوا تھا اور جسم میں ایک خوشگوار تھکن گدگدا رہی تھی وہ کوئی ایسی بات نہیں کرنا چاہتا تھا جو اسے ناخوش کر دے۔ کھانے سے فارغ ہو کر اس

نے دودھ مانگا۔

''پرندوں کے گوشت کے ساتھ دودھ نہیں پیا کرتے۔ بھول گئے ہو؟'' عذرا نے کہا۔

نعیم کو یاد آیا کہ یہ اس کے باپ کی نصیحتوں میں سے ایک تھی۔'' چنانچہ وہ کندھے اچکا کر اٹھ کھڑا ہوا۔

تاریک کمرے میں لیٹ کر اس نے اپنی بیوی کے بھرے ہوئے ہونٹوں کو شوق اور جذبے سے چوما' اس کے جسم پر ہاتھ پھیرا' اپنے باسی اور ضائع ہوتے ہوئے جسم کو اس کے صحت مند اور گدرائے ہوئے بدن کے ساتھ رگڑا اور دیر تک اس کی ہلکی ہلکی خوشبو اور حرارت کو جذب کرتا رہا۔ پھر بازو اس کے گرد لپیٹ کر کس کے اپنے ساتھ چمٹا لیا۔ یہاں تک کہ اسے خدشہ ہونے لگا کہیں عذرا کا سانس نہ رک جائے۔ مگر عذرا بھی اسے بھینچے ہوئے تھی۔ اسے اپنی بیوی کی زندگی اور خواہش کا احساس ہوا۔ اس نے اس کی گردن میں نرمی سے دانت گاڑ دیئے اور ایک مختصر سے لمحے کے لئے خود کو اس کے وجود کا ایک حصہ تصور کیا۔ اگلے لمحے دفعتاً اس کے دل میں دہشت پیدا ہوئی اور اس کی گرفت ڈھیلی پڑنے لگی۔

آہستہ آہستہ وہ اس سے الگ ہو گیا۔ کچھ دیر تک دونوں مردوں کی طرح بے حس و حرکت پڑے رہے۔ پھر عذرا نے آہستہ آہستہ اس کے بالوں پر ہاتھ پھیرنا شروع کیا۔ نعیم سیدھا لیٹا ہونٹ کاٹتا رہا حتیٰ کہ رستے ہوئے خون کا نمکین ذائقہ اس نے اپنی زبان پر محسوس کیا۔

''جیل [illegible]''

''ٹھیک ہے۔ کوئی بات نہیں۔'' عذرا نے نرمی سے کہا اور اسے چھوٹے سے بچے کی طرح ماتھے پر چوما۔

''تم کس قدر کمزور دکھائی دے رہے ہو۔''

''جیل کے مضر کھانے کی وجہ سے ہے۔'' نعیم کی آواز میں ابھی تک خفگی اور خفت کا اثر تھا۔ اس نے ہوا میں بڑی سی گالی دی۔ ''میں ٹھیک ہو جاؤں گا۔ کل شکار کے لئے جاؤں گا۔ گھوڑے کی سواری مرد کے لئے مفید ہوتی ہے۔''

''میں بھی جاؤں گی۔''

''تم ہر جگہ میرے ساتھ نہیں جا سکتیں۔'' نعیم نے کہا۔

''نعیم آؤ باتیں کریں۔'' عذرا نے آہستگی کے ساتھ اس کا سر لحاف سے نکالا۔

اس کے باوجود وہ دیر تک خاموش لیٹے رہے۔ پھر نعیم نے پوچھا:

''کیا اس کی زمین چلی گئی؟''

''ہاں' ضبط ہو گئی۔''

''اب میں غریب آدمی ہوں۔'' نعیم نے کہا۔

''ہاں۔ ہم اب غریب لوگ ہیں۔'' عذرا نے دہرایا۔ ''لیکن ہمارے پاس ساری زمینیں ہیں۔''

''وہ ہماری نہیں ہیں۔''

''علی تمہاری اور روشن آغا کی زمینیں خراب کر رہا ہے۔''

نعیم چونکا۔ ''کیوں؟''

''پتا نہیں۔ لوگ کہتے ہیں اپنی ماں کے کہنے پر کرتا ہے۔ ہماری فصل کا اس نے بہت نقصان کیا۔''

''ہوں۔'' وہ دیر تک سوچتا رہا۔ پھر پوچھنے لگا۔ ''روشن آغا کیسے ہیں؟''

عذرا خاموش رہی۔

''مجھ سے خفا ہیں؟''

''پتا نہیں۔''

''تم سے؟''

عذرا نے اس کی چھاتی میں منہ چھپا لیا۔ ''مجھے کسی کی ضرورت نہیں ہے۔'' وہ رو کر بولی۔

نعیم اس کی گردن اور پشت پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ ''میں جلد ہی ٹھیک ہو جاؤں گا۔ کل صبح کھیتوں کو جاؤں گا۔ ان چیزوں سے میں ایک مدت تک محروم رہا ہوں اور کوئی وجہ نہیں۔''

اس کی آواز میں خفت یا خفگی نہ تھی' سچائی اور دردمندی تھی۔

UrduPhoto.com

چند روز گاؤں میں [illegible] نعیم بالکل تندرست ہوگیا۔ اس کی سوئی قوتیں کھلی زمین اور کھلی ہوا کے لمس سے بیدار ہوگئیں اور میاں بیوی محبت اور کام کی پوری توانائی اور مصروفیت کے ساتھ رہنے لگے۔

کئی دن کی کڑی نگرانی کے بعد نعیم کو پتا چل گیا کہ علی' غالباً اپنی ماں کے ایما پر اس کی زمینداری اور فصلوں کے ساتھ شرارت کر رہا تھا اور گاؤں کے آوارہ لوگوں کے ساتھ مل کر بدتر ہوتا جا رہا تھا۔ اس نے اسی دم اسے شہر بھیج دینے کا فیصلہ کر لیا۔

ایک روز صبح سویرے وہ اسے اپنے باپ کے گھر میں مل گیا' جہاں نعیم دونوں عورتوں سے ملنے کے لئے گیا تھا۔

''میرے ساتھ چلو۔'' اس نے علی سے کہا۔

''کہاں؟'' علی نے نوجوان بےخوف نظروں سے اس کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

''باہر۔''

گھر سے نکل کر وہ کھیتوں کے بیچوں بیچ چلنے لگے۔ ٹیڑھی میڑھی پگڈنڈیوں پر مڑتے ہوئے کبھی ایک آگے نکل جاتا' کبھی دوسرا۔ دھوپ کھیتوں میں پھیل چکی تھی۔ ہل جوتتے ہوئے کسانوں نے دونوں بھائیوں کو ساتھ ساتھ چلتے ہوئے تعجب سے دیکھا اور ان پر اللہ کی رحمتیں بھیج کر حال پوچھا۔ جب سے علی نے ہوش سنبھالا تھا وہ کبھی

بار دونوں بھائیوں کو ایک ساتھ دیکھ رہے تھے اور وہ علی کی کدورت سے بھی واقف تھے۔ جب وہ باہر والی حویلی کے پاس سے گزر رہے تھے تو نعیم نے پیچھے چلتے ہوئے پوچھا:

"تم یہاں کیوں نہیں آتے؟"

"مجھے یہاں آنے کی کوئی ضرورت نہیں۔" وہ اکھڑ پن سے بولا۔

نعیم نے کڑی نظروں سے اس کا جائزہ لیا۔ وہ سولہ سال کا تھا لیکن پیچھے سے چلتا ہوا پورا جوان کسان دکھلائی پڑتا تھا۔ اس کا قد نعیم سے چھوٹا تھا مگر ہاتھ پاؤں اپنے باپ کی طرح بڑے بڑے اور مضبوط تھے۔ اس کا رنگ سیاہی مائل سرخ تھا اور گردن کی جلد بیل کی طرح موٹی اور سخت تھی۔ اس کی چال میں لاپروائی اور پھرتی تھی۔ نعیم نے محسوس کیا کہ وہ ان لوگوں میں سے تھا جن کے ساتھ سختی سے کام لینا پڑتا ہے۔ قدرتی طور پر اس نے اپنی طاقت کا جائزہ لیا۔ اسے اپنے اوپر اعتماد تھا۔ لیکن اپنے بھائی کے ساتھ معاملہ چکاتے ہوئے وہ دل میں ہچکچا رہا تھا۔

"تم ہل میں جتتے رہے ہو؟" اس نے تمسخر سے پوچھا۔

"تم مذاق کرنے کے لیے مجھے یہاں لائے ہو؟"

نعیم ہنسا۔ "یونہی مجھے خیال آیا' تمہاری گردن بیل کی طرح ہے۔"

علی کا ہاتھ آپ سے آپ گردن کی طرف اٹھ گیا اس کی جلد جھرجھرائی لیکن وہ خاموش چلتا رہا۔ جب وہ حویلی سے کافی دور آ گئے تو نعیم نے پوچھا:

"تم کام کیوں نہیں کرتے؟"

"کرتا ہوں تو۔" اس نے لاپروائی سے کہا۔

"تمہارے دوست گاؤں کے ناکارہ ترین لوگ ہیں۔"

"تمہیں کیا؟"

"ان کے پاس زمین کا ایک مرلہ اور بیلوں کی جوڑی تک نہیں اور ان کی جوانی ڈھل رہی ہے۔ انہیں کوئی پسند نہیں کرتا۔"

"تمہیں کیا؟" علی نے دہرایا۔

نعیم کو سخت طیش آیا۔ وہ تیز غصیلی آواز میں بولا: "جاہل کسان میں تمہارا بھائی ہوں۔ ٹھہرو۔ میری بات کا جواب دو۔"

علی بے خوفی سے پلٹ کر کھڑا ہو گیا۔ نعیم آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگا۔

"تم نے میرے بعد فصلوں کو کیوں تباہ کیا؟ اور اب بھی تم ڈنڈے بجاتے پھرتے ہو اور میرے کاموں میں روڑے اٹکاتے ہو کیوں؟ تمہارے سر میں بیل کی عقل ہے؟"

"تم تو حج کو گئے تھے نا۔" علی نے بے خوف طنزیہ لہجے میں کہا لیکن بات ختم کرتے کرتے اس کی زبان

UrduPhoto.com

لڑکھڑا گئی کیونکہ اس کا بڑا بھائی جسے وہ شروع سے بڑا دیکھتا آیا تھا' دانت پیس کر اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔

''سلور میں تجھے شہر چھوڑ کر آؤں گا۔'' نعیم نے کہا اور مضبوطی سے اس کے بازو پر ہاتھ رکھا۔ اگلے لمحے ایک زوردار جھٹکے کے ساتھ علی ہاتھ چھڑا کر بھاگ کھڑا ہوا۔

شکاری کتوں کی طرح جھاڑیوں اور پانی کی نالیوں پر سے زقندیں بھرتے وہ دیر تک ایک دوسرے کے پیچھے بھاگتے رہے۔ دور دور کھیتوں میں کام کرتے ہوئے کسانوں نے رک کر' آنکھوں پر سایہ کر کے انہیں دیکھا اور ہنسے:

''چھوٹا لونڈا بڑے کو ورزش کرا رہا ہے۔'' انہوں نے ایک دوسرے سے کہا۔

علی خرگوش کی طرح آسانی اور پھرتی سے بھاگ رہا تھا۔ وہ جھاڑیوں میں اور ہل جتی ہوئی زمین میں بھاگنے کا عادی تھا۔ لیکن نعیم اپنی عمر کی وجہ سے سست رفتاری اور بے ڈھنگے پن سے کوستا ہوا بھاگ رہا تھا۔ کبھی کبھی وہ تھک کر رک جاتا تو علی بھی ٹھہر جاتا اور آنکھوں کے کونوں میں سے اسے دیکھتا رہتا۔ سانس لے کر وہ پھر بھاگنے لگتے۔ نعیم گھوڑے کی طرح ہانپ رہا تھا اور جانتا تھا کہ اس طرح وہ اس کم عمر لڑکے کو نہیں پکڑ سکتا' مگر وہ اس کا پیچھا شروع کر چکا تھا اور اب رکنے کے خیال سے خفت محسوس کر رہا تھا۔ آس پاس دور دور تک کوئی بشر نہ تھا اور بھاگتے ہوئے بھائیوں کے پاس سے کئی خرگوش اور گیدڑ جھاڑیوں میں سے نکل نکل کر ادھر اُدھر دوڑ رہے تھے۔ ایک خرگوش نعیم کی ٹانگوں سے ٹکرایا اور دور تک قلابازیاں کھاتا ہوا چلا گیا۔

UrduPhoto.com

''[illegible]'' [illegible] نے کہا۔

وہ بھاگتے رہے۔

آخر بہت تھک کر نعیم ایک پتھر پر ٹانگ رکھ کر ہانپنے لگا۔ علی بھی رک گیا اور کچھ دیر کے بعد زمین پر بیٹھ گیا۔ اسے بیٹھتے دیکھ کر نعیم بھی بیٹھنے کے لئے جھکا ہی تھا کہ پتھر کے نیچے سے ایک خرگوش نکل بھاگا۔ وہ اچھل پڑا۔

''اب تم نے خرگوش پیدا کرنے شروع کر دیئے ہیں۔'' علی نے پکار کر کہا۔

نعیم خفت سے ہنستا ہوا بیٹھ گیا۔ ''چپ رہ جاہل باتونی۔ آج تو نے مجھے بڑا خوار کیا۔'' پھر وہ بظاہر اپنے آپ سے لیکن بلند آواز میں بولا۔ ''شکر ہے میں نے جنگ میں ٹانگ تو نہیں کھوئی' ورنہ یہ لونڈا کبھی ہاتھ نہ آتا۔''

''گھر والوں کے دانت نہیں گنا کرتے۔'' علی نے کہا' ''میں جانتا ہوں تم مجھے کبھی نہیں پکڑ سکتے۔''

دونوں اپنا اپنا سانس ملاتے رہے۔ جنوب کی طرف سے بادل اٹھ رہا تھا۔

''بارش آئے گی۔'' نعیم نے تشویشناک لہجے میں کہا۔

''بارش ابھی اچھی نہیں ہے۔ گیہوں کے لئے۔'' علی نے کہا۔

جب دونوں کے سانس مل گئے تو بغیر کچھ کہے اٹھ کر پھر بھاگنے لگے۔ اب علی نے گاؤں کا رخ کر لیا تھا۔ نعیم کو ایک تدبیر سوجھی۔ جب وہ اس کی حویلی کی دیوار کے پاس سے گزر رہے تھے تو اس نے اپنی مخصوص سیٹی بجائی۔ رکھوالی کے کتے گھر کی چار دیواری پھاند کر علی پر ٹوٹ پڑے۔ وہ لاتوں کے زوردار جھٹکوں کی مدد سے ان

سے چھٹکارا پانے کی کوشش کرنے لگا لیکن کتے پلے ہوئے اور خونخوار تھے اور اسی مقصد کے لئے رکھے گئے تھے۔ اتنے میں نعیم اس کے اوپر پہنچ گیا۔ اس نے اسے گردن سے پکڑ کر کتوں کے پنجے سے چھڑایا۔ علی گردن چھڑانے کی لگاتار کوشش کر رہا تھا۔ نعیم نے دانت پیس کر اس کی رگوں کو انگلیوں میں دبایا۔ درد کی شدت سے وہ بلبلا اٹھا۔

''ایک ہاتھ سے تمہیں اور تمہارے تین دوستوں کو سنبھال سکتا ہوں۔'' نعیم نے کہا۔

اسے گردن سے پکڑے پکڑے وہ گھوڑی کے پاس لے کر آیا' اچھل کر اس پر سوار ہوا' کالر سے پکڑ کر علی کو اٹھایا اور اپنے پیچھے بٹھا لیا' پھر گھوڑے کی رسی اتار کر اچی اور علی کی کمر کے گرد چھنگی اور کس کر باندھ دی۔ گھوڑا بھاگنے لگا۔

''میں اب بھی بھاگ سکتا ہوں۔'' اس نے ضدیوں کی طرح کہا۔ وہ برابر رسی تڑا کر بھاگ جانے کی کوشش کر رہا تھا۔

نعیم نے باگیں کھینچ لیں۔ جب گھوڑا رکا تو وہ کندھے کے اوپر سے پیچھے دیکھ کر درشت لہجے میں بولا۔

''کیا مرضی ہے؟ لڑائی کی؟''

''نہیں۔''

''پھر چپکے بیٹھے رہو۔''

''پھر [illegible]'' علی نے کہا۔

UrduPhoto.com

نعیم چونکا' گردن موڑ کر کنکھیوں سے پیچھے دیکھا' لمبا سا معنی خیز 'ہوں' کیا' پھر سامنے دیکھ کر لمبا سا سانس چھوڑا اور ہونٹوں میں مسکرایا۔

پوری رفتار سے گھوڑا بھگاتے ہوئے وہ مصنوعی سختی سے بولا: ''تو اسی لئے تم نے اتنا اُدھم مچا رکھا تھا؟''

علی خاموش رہا۔

''میں سمجھا تمہاری ماں تمہیں سبق دے رہی ہے۔''

''میں عورتوں کی باتوں پر نہیں چلتا۔'' علی نے کہا۔

نہر کے پل پر چند کسانوں نے دونوں بھائیوں کو اس ہیئت کذائی میں دیکھا اور مسکرا کر ان کا حال پوچھا۔ پل پر سے اتر کر نعیم نے کہا:

''لیکن راول؟''

''میں اسے قتل کر دوں گا۔'' علی نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

''بکو مت۔ میں انتظام کر دوں گا۔''

تھوڑی دور جا کر علی کسمسانے لگا۔ ''رسی ڈھیلی کرو' میرا دم گھٹ رہا ہے۔''

نعیم نے گھوڑا روک کر رسی کھولی اور اس کے گلے میں لپیٹ دی۔ علی چلتے گھوڑے پر سے چھلانگ لگا کر

اترا اور رکاب پر ہاتھ رکھ کر چلنے لگا۔

"راول مجھ سے بڑا ہے لیکن مجھ سے تیز نہیں دوڑ سکتا۔ میں نے پچھلی فصل پر اسے کٹائی میں بھی مات دی تھی۔ اور وہ ایک خرگوش بھی نہیں پکڑ سکتا۔" وہ باتیں کرتا ہوا ساتھ ساتھ دوڑتا رہا۔

جب وہ شہر پہنچے تو دوپہر ڈھل رہی تھی۔ وہ سیدھے کپڑے کی مل پر گئے جس کی تعمیر کا کام زوروں پر تھا۔ کچی دیواروں اور پھونس کی چھت والے عارضی دفتر میں بیٹھا ہوا بھرتی کا کلرک ادھیڑ عمر اور خاکستری رنگ کا شخص تھا جس کی عینک کے فریم کی ایک طرف سے دھاگوں کی مدد سے مرمت کی گئی تھی۔ نعیم نے علی کو پیش کیا۔

"نوکری کے لئے ہے؟" کلرک نے عینک کے اوپر سے دیکھتے ہوئے تیز' باریک آواز میں پوچھا۔

"ہاں۔"

"کیا عمر ہے لونڈے کی؟"

"سولہ سال۔"

"عمر کم ہے۔" کلرک نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"میں سب کام کر سکتا ہوں۔" علی نے سادگی سے کہا۔ کلرک چشمہ اتار کر اس کی طرف متوجہ ہوا۔

"فیکٹری ایکٹ کے تحت۔" اس نے بات شروع کی۔ نعیم جو ضبط کئے کھڑا تھا آگے بڑھا اور چیخ کر بولا:

"جب [illegible] سال کا تھا تو [illegible] ہاتھ میں [illegible] اور [illegible] جنگ پر لے گئے تھے۔"

UrduPhoto.com

کلرک نے اس غیر متوقع طرز عمل سے چکرا کر کمر سیدھی کی اور کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔

علی کو مل میں بھرتی کروا کے نعیم اسی روز گاؤں لوٹ آیا۔

(۲۶)

اس سال کے آخری دن دلی کے ایک اجتماع میں مسلمانوں کی دو جماعتوں کو متحد کر دیا گیا اور اس طرح ایک واحد جماعت آل انڈیا مسلم لیگ کا قیام عمل میں آیا جس نے رفتہ رفتہ ایک زبردست متوازی اور مخالف سیاسی قوت کی حیثیت اختیار کر لی اور آگے چل کر واقعات کی تشکیل میں اہم حصہ لیا۔ اس موقع پر صدارت کرنے کے لئے فرانس سے آغا خان III تشریف لائے جن کی وجہ سے ملک کے طول و عرض میں اس کانفرنس کا چرچا ہو گیا اور وہ مسلمان بھی جو کہ مخالف سیاسی نظریات رکھتے تھے' اس میں شریک ہونے کے لئے آنے لگے۔

اس سے پہلی رات نعیم اور عذرا روشن آغا کو شب بخیر کہنے کے بعد اپنے کمروں کو لوٹے۔ عذرا صحت مند اور مطمئن دکھائی دے رہی تھی۔ نعیم صحت مند اور دل کش دکھائی دینے کے باوجود کھویا کھویا سا تھا اور اس کی آنکھوں میں وہ پُر قناعت ٹھہراؤ نہ تھا جو اس کی بیوی کی نظروں میں نمایاں طور پر دکھائی دیتا تھا۔ برسوں کی پُر آشوب زندگی

نے اس کے دل میں آرام دہ اور پُرآسائش رہائش کے لئے تنفر اور بیزاری پیدا کردی تھی اور وہ اسی بے نام خلش کا شکار تھا جو اس وقت ملک کے کروڑوں دلوں میں پیدا ہو چکی تھی۔ وہ روزانہ کی طرح سونے کے لئے بستر پر لیٹے' یہ جانے بغیر کہ وہ رات ان کے لئے بلاخیز تھی۔

آہستہ آہستہ روشن محل کی تمام خواب گاہوں کی روشنیاں گل ہو گئیں سوائے دوسری منزل کی ایک خواب گاہ کے جس کے سبز شیشوں والے دریچے تھے اور ان میں سے پھوٹتی ہوئی مدھم روشنی میں یوکلپٹس کی چوٹیاں ہل رہی تھیں۔ جاڑوں کی غیر آباد رات چاروں طرف پھیل چکی تھی اور شیشوں کے دوسری طرف وہ دونوں ساتھ ساتھ لیٹے ہوئے نیند سے پہلے کی باتیں کر رہے تھے۔ روئی کے نرم گدوں میں کسمساتے ہوئے' دن بھر کی چھوٹی چھوٹی' غیر دلچسپ' خواب آور باتیں۔

باتیں کرتے کرتے عذرا کسی خیال سے چونک پڑی۔

''کل آغا خان کی کانفرنس ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''ہوں۔'' نعیم نے غنودگی کی حالت میں سر ہلایا۔ عذرا نے تھوڑی سے پکڑ کر اس کا منہ اپنی طرف کیا۔

''روشن آغا بھی جا رہے ہیں پر میں تمہارے ساتھ جاؤں گی۔ آغا خان کو بہت سال ہوئے میں نے بمبئی میں دیکھا تھا۔ اس قدر شاندار شخصیت ہے ان کی اللہ...... تم نے دیکھے ہیں؟''

''[illegible] پہلے [illegible]'' [illegible] بالکل ہی دبک گئی۔ اسے خاموش ہوتے ہوئے دیکھ کر نعیم کو اپنے طرز عمل پر ندامت محسوس ہوئی۔

''تم روشن آغا کے ساتھ چلی جانا۔'' اس نے کہا۔

''کیوں؟''

''پرنس آف ویلز سے مل کر تمہیں کوئی خاص خوشی نہ ہوئی تھی؟'' وہ تمسخر سے ہنسا۔

''اوہ...... وہ تو ہم ایک غلط جگہ پر تھے۔''

نعیم نے کروٹ بدلی اور بازو اس کے جسم کے گرد لے جا کر اسے چوما۔ ''میں تو مذاق کر رہا تھا۔ تم خفا ہو گئیں؟'' اس نے دوبارہ اس کی گردن کا ایک طویل' بے مزہ بوسہ لیا۔

''آؤ اب سو جائیں۔'' اس نے کہا' لیکن عذرا اپنے محبوب ہونٹوں کے لمس سے پوری طرح بیدار ہو چکی تھی۔

''لیکن آغا خان' اوہ......'' اس نے ہتھیلی نعیم کے گال پر رگڑتے ہوئے کہا۔ ''وہ ایسی پُراسرار شخصیت کے مالک ہیں نہیں؟''

''ہوں۔'' نعیم اب اپنی بیوی کے طرزِ عمل سے پوری طرح مایوس ہو چکا تھا۔

''مگر تم...... تو مخالف پارٹی سے ہو۔'' عذرا نے پوچھا۔

''مسلم لیگ کانگرس کے خلاف نہیں ہے اور پھر وہ مسلمانوں کی جماعت ہے۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ وہ

لوگ کیا کہتے ہیں۔"

"اچھا۔" عذرا نے یکساں آواز میں کہا۔ اس کے ذہن میں آنے والے دن کی باتیں اکٹھی ہو رہی تھیں۔

"کل نئے سال کی رات ہے نعیم۔ دو سال ہوئے ارشد اس رات کو ہمارے ساتھ تھا۔ اگلے روز اس کا حادثہ ہو گیا۔" نعیم خاموشی سے کسمسایا۔

"کل وحید کی پارٹی پر جائیں گے۔ ایں نعیم؟ کل نئے سال کی رات ہے۔"

"ہوں۔"

"وحید کی بیوی بڑا عمدہ رقص کرتی ہے۔ گریگسن کنبہ بھی وہاں آئے گا۔ وہ سب رقص کے شیدائی ہیں۔ کونوٹ میں ہم سب نے رقص سیکھا تھا۔ لیکن ہم نہیں ناچیں گے۔ بیٹھ کر تماشا دیکھیں گے۔ اچھا؟"

"ہوں اوں۔"

"تم فوجی تقریبی لباس پہن سکتے ہو؟"

"پتا نہیں۔"

"ارشد تو چلا گیا۔" کچھ دیر تک وہ بے حس و حرکت لیٹی رہی، پھر اس نے ہاتھ پھیلا کر نعیم کے سینے پر رکھا اور آزردگی سے بولی۔ "کتنا اچھا ہوتا اگر تم جیل نہ جاتے۔۔۔ نعیم۔"

نعیم [illegible] آہستہ آہستہ اس کا ذہن پوری طرح بیدار ہو گیا اور نیند اس کی آنکھوں سے ہوا کی طرح غائب ہو گئی۔ اس کے سینے میں ایک بھاری درد آلود شے کلبلائی۔ اس نے آہستگی سے اسے چھوئے بغیر اپنے آپ کو اس کی گرفت سے آزاد کیا اور اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اذیت اور تبدیلی کے اس لمحے میں اس کے دل میں ساتھ لیٹی ہوئی عورت کے لئے شدید تنفر پیدا ہوا۔ اس کا جسم ایک دھیمے مسلسل ارتعاش کی حالت میں تھا۔ میکانکی طور پر اس نے گردن موڑی اور بے شرمی سے ابھری ہوئی چھاتیوں اور موٹے شہوانی ہونٹوں کو دیکھا۔ دفعتاً اس نے محسوس کیا کہ اس نفسانی عورت میں اس نفسانی چہرے پر حسن کی رمق تک نہ تھی۔ اس کے ہونٹوں کے پھیلے ہوئے کناروں اور ابھرے ہوئے گالوں سے صرف شہوت اور بازاری پن عیاں تھا۔ وہ بستر سے اٹھا اور آتشدان کے پاس جا کھڑا ہوا۔ اپنے آپ کو سنبھالنے کے لئے اس نے کہنیاں آتشدان پر ٹیک دیں اور سر کو ہاتھوں میں پکڑ لیا۔

عذرا بستر پر ششدر بیٹھی رہی۔

"ہندوستان میں بہت لوگوں کے پاس بہادری کے تمغے ہیں۔ تم ان کے پاس جا سکتی ہو۔" وہ اسی طرح کھڑے کھڑے بولا۔

عذرا نے عجیب سی پُرسکوت آواز میں صرف اتنا کہا۔ "نعیم، پاگل ہو گئے ہو۔"

پھر دونوں خاموش ہو گئے۔ نعیم کی ایک ٹانگ تیزی سے کپکپا رہی تھی۔ رفتہ رفتہ اس نے جذبات کے ابال

پر قابو پالیا۔ اب اس کے دل میں ایک سرد اور قطعی جذبہ تھا۔ ہتھیلی پر سر رکھے رکھے اس نے مڑ کر اس عورت کو دیکھا۔

"تمہاری وجہ سے میدان جنگ میں میں نے ایک ساتھی کو قتل کیا تھا۔ تمہیں پتا ہے؟"

عذرا اچنبھے سے اسے دیکھتی رہی۔

"وہ میرا دوست تھا۔ اپنی عورت کا تذکرہ کرتا رہتا تھا۔ میں نے اسے ختم کر دیا۔"

"میں قصوروار تھی؟" عذرا نے آزردگی سے پوچھا۔

نعیم نے سپاٹ، غیر جذباتی لہجے میں اپنی بات جاری رکھی۔ "میں نے غلطی کی۔ تم قابل نفرت ہو۔"

عذرا کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا اور وہ کل کی طرح بستر سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ غصے اور رنج کے آنسو اس کی آنکھوں میں جمع ہونے شروع ہوئے۔ تیز تیز سانس لیتے ہوئے وہ رک رک کر بولی:

"تم..... تم سے شادی کر کے مجھے کیا حاصل ہوا؟ تم..... ایک بچہ تک نہیں۔ یہ سارے سال..... قابل نفرت۔"

"چپ رہو۔" نعیم نے وحشیوں کی طرح دھات کا گلدان اٹھا کر اس پر پھینکا۔ عذرا فطری طور پر اس سے بچنے کے لئے ایک طرف کو جھکی، دھات کا بھاری وزن فرش سے ٹکرایا اور کمرے کی خاموش فضا میں شور پیدا کرتا ہوا دور تک چلا گیا۔

"نکل جاؤ۔" وہ آگے بڑھ کر دھاڑا۔

عذرا [illegible] ایک دوسرے کے مقابل آن کھڑے ہوئے تھے۔ ہنوز اجنبی اور متنفر! انتہائی ذلت کے احساس سے اس نے چیخنا چاہا، لیکن وہ صرف اتنا کہہ سکی۔ "تم..... تم۔" پھر اس نے رونا چاہا لیکن صدمے کی شدت سے رو بھی نہ سکی۔ ایک لمحے میں جذبے کی یہ ساری واردا‌تیں اس پر سے گزر گئیں۔ آخر اس کی آنکھیں آگ برسانے لگیں۔ تیز مگر دو آواز میں اس نے کہا:

"میرے باپ کا گھر ہے۔ میرے باپ کی زمینیں ہیں جو تم کھاتے ہو۔ تم۔"

نعیم کی آنکھوں میں موت دیکھ کر وہ تیزی سے مڑی اور ڈرے ہوئے بچے کی طرح بھاگتی ہوئی باہر نکل گئی۔

اس کے جانے کے بعد نعیم نے اس کے اور اپنے وجود کے لئے عجیب سی نفرت اور حقارت محسوس کی، اس قسم کی نفرت جو زنا بالجبر کے بعد انسان کو ہوتی ہے۔ دیر تک وہ تعجب کرتا رہا کہ کس طرح اتنے عرصے تک وہ اس عورت سے محبت کرتا رہا تھا۔

جب تک جذبات اعتدال پر آئے وہ اپنے آپ کو بے حد کمزور محسوس کرنے لگا تھا، پھر بھی وہ کہیں رات کے پچھلے پہر کو جا کر سو سکا اور اجالا ہونے پر جاگ گیا۔

بند دریچے کے شیشے پر انگلیاں پھیلائے وہ بے خیالی سے کھڑا رہا۔ کئی مرتبہ اس نے رات کے واقعے کو یاد کرنے کی کوشش کی لیکن محض اپنی انگلیوں کو اور چھن کر آتی ہوئی دھوپ کو اور شیشے پر پڑتے ہوئے یوکلپٹس کے پتوں کے

سائے اور دریچے کے پتھر کو دیکھتا اور محسوس کرتا رہا۔ اس کے ذہن میں ایک بے معنی خلا اور تعطل تھا۔ وہ آسانی سے اپنے آپ کو سنبھالے ہوئے کھڑا ہو گیا' بے تاثر نظروں سے اس نئی صبح کو دیکھتا رہا جو ہر روز کی طرح دنیا پر طلوع ہوئی تھی۔

دروازہ جو رات بھر کھلا رہا تھا' ہلا اور خالہ بے آواز قدموں سے چلتی ہوئی اندر داخل ہوئی۔ اس کے بوڑھے خوبصورت چہرے پر بے خوابی اور رنج کے آثار تھے۔ کمرے کے وسط میں رک کر وہ نعیم کی ساکت' بے جان شبیہ کو دیکھتی رہی' پھر میز پر پڑی ہوئی راکھ دانی کے کناروں پر انگلی پھیرنے لگی۔ نعیم مڑا اور نا آشنا نگاہوں سے اسے گھورنے لگا۔ وہ ہلکے پھلکے قدموں سے چلتی ہوئی اس کے پاس جا کھڑی ہوئی۔ ایک دوسرے انسان کو سامنے پا کر رفتہ رفتہ نعیم کے حواس بجا ہو گئے۔ بجلی کی سی تیزی سے سارا واقعہ جو گزشتہ شب اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان گزرا تھا' اس کے ذہن میں کوند گیا اور وہ پشیمانی سے ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔

کمرے کو پار کرتے ہوئے دھات کا گلدان نعیم کے پیر سے ٹکرایا اور ناخوشگوار' مانوس آواز پیدا کرتا ہوا ایک طرف کو لڑھک گیا۔ وہ آمنے سامنے کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

''مجھے ساری بات کا علم ہے۔'' خالہ نے گلدان قریب کھینچ کر باسی پھولوں پر انگلیاں پھیرتے ہوئے کہنا شروع کیا۔ ''عذرا رات بھر میرے پاس بیٹھی روتی رہی۔''

''وہ اپنے باپ کے پاس نہیں گئی؟'' نعیم نے تلخی سے کہا۔

''[illegible] میاں بیوی کے [illegible] ہیں''

نعیم نے سگریٹ سلگایا اور کندھے پر دھواں چھوڑا۔ ''ٹھیک ہے۔'' اس نے یکساں آواز میں' جس میں خفیف سی پشیمانی تھی' کہا۔

''روشن آغا کو اس کا علم نہیں ہونا چاہیے۔ تم جانتے ہو مجھے ان بچوں سے گہرا تعلق ہے' اور..... اور مجھے یہیں رہنا ہے۔''

نعیم نے سر اٹھایا۔ وہ رنجیدہ متجسس نظروں سے اس کو دیکھ رہی تھی۔ نعیم اس کے سر کے اوپر سے شیشوں پر دیکھنے لگا جہاں صبح کی ہوا میں ہلتے ہوئے پتوں کا سایہ لرز رہا تھا۔ گلدان لڑھکتا ہوا جا کر دیوار کے ساتھ لگ گیا تھا اور اس کے پھول جگہ جگہ بکھرے ہوئے تھے۔ بستر پر شکنیں تھیں۔ بند کمرے میں سگریٹ کا دھواں بہت دھیرے دھیرے تحلیل ہو رہا تھا۔ اس نے آخری کش لے کر سگریٹ راکھ دانی میں مسلا۔

''ٹھیک ہے۔'' اس نے تھکے ہوئے لہجے میں کہا۔

بوڑھی عورت کے چہرے پر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ جب نعیم نے دوسرا سگریٹ سلگایا تو وہ کہنیاں میز پر رکھ کر ہلکی پھلکی مسرور آواز میں باتیں کرنے لگی۔

''کاش تم اس کو ٹھیک طرح سے سمجھ سکو۔ اور..... تم اس کی طبیعت سے واقف نہیں ہو سکے نعیم۔ تم ہمیں ملے ہو۔ تم سے کچھ چھپا ہوا نہیں ہے۔ تم اس کے شوہر ہو۔ اسے اپنی ماں کی طرف سے خودسری اور قوت ملی ہے

لیکن اس نے روشن آغا کی تربیت' ضبط اور شفقت بھی پائی ہے۔ اسے تم سے بڑی محبت ہے۔ انسانوں کے ساتھ اتنی عمر تک میل جول رکھنے کے بعد ان کی فطرت کے متعلق میں بہت کچھ جان گئی ہوں۔ وہ تم سے محبت کرتی ہے۔ تم آج اس کو اپنے ساتھ لے جاؤ' جہاں بھی تم جا رہے ہو مجھے پتا نہیں' لیکن...... ٹھیک ہے نا؟؟"

"ٹھیک ہے۔" نعیم نے کندھے جھٹکا کر کہا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ جب وہ برآمدے میں اترا تو اسی وقت عذرا دوسرے سرے سے ظاہر ہوئی۔ وہ برآمدے میں اس طرح داخل ہوئی تھی جیسے دھکیل دی گئی ہو۔ زرد اور کمزور' سفید لباس میں کلدار گڑیا کی سی شان کے ساتھ چلتی ہوئی دور سے ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر انہوں نے نظریں چرا لیں۔ وہ عجیب کنارہ کش نظریں تھیں۔ ان میں کسی پرانی شناسائی کا شائبہ تک نہ تھا۔ ایک لفظ بولے بغیر وہ برآمدے کی سیڑھیاں اتر کر گاڑی میں سوار ہو گئے۔

جامع مسجد کے سامنے ایک وسیع میدان میں خیمے اور قناتیں لگی تھیں اور انسانوں کی ریل پیل تھی۔ یہ ہندوستان کی تمام اہم اور بااثر مسلم جماعتوں کی کانفرنس منعقد ہو رہی تھی۔ چنانچہ پشاور سے لے کر بمبئی تک کے مسلمان وہاں پر جمع تھے۔ یہ دعوت نامے ملک کی ہر سیاسی جماعت سے تعلق رکھنے والے لوگوں کو جاری کیے گئے تھے۔ جلسے کی کارروائی ابھی شروع نہیں ہوئی تھی۔ پنڈال میں اور پنڈال کے باہر بے پناہ رش تھا۔ ہر طبقے اور ہر نسل کے مسلمان ان قناتوں کے نیچے گھوم رہے تھے اور بیٹھے ہوئے تھے۔ مختلف نقوش' مختلف لباس اور مختلف زبانوں والے ان گنت [illegible] منتظمین عجلت سے ادھر اُدھر آ جا رہے تھے اور ان کے مکالموں کے بعض حصے مائیکروفون میں سنائی دے رہے تھے۔ تھوڑے تھوڑے وقفے پر ایک شخص اس میں ناک ٹھونس کر پکارتا: "ہلو ہلو" ملے جلے شور کے اوپر اس کی آواز چاروں طرف گونجتی۔ کوئی اس کی طرف دھیان نہ دیتا۔

سٹیج سے لے کر جلسہ گاہ کے دروازے تک قیمتی سرخ قالینوں کا رستہ بنایا گیا تھا جس کے دونوں جانب سرما کے سفید پھولوں کی قطاریں تھیں۔ جلسہ گاہ کے باہر سرو اور پام کے درختوں کا ایک بہت بڑا آرائشی دروازہ بنایا گیا تھا جس کے نیچے استقبالیہ کمیٹی کے ارکان کھڑے تھے اور آ جا رہے تھے۔ اندر سٹیج پر اور لکڑی کی سیڑھیوں پر قرمزی رنگ کے قالین بچھے تھے اور مائیکروفون کے پاس ایک میز اور صدر جلسہ کی اونچی پشت اور زردوزی کے کام والی مخملیں کرسی رکھی تھی۔ سٹیج کے دائیں اور بائیں کانفرنس میں شرکت کرنے والے مندوبین کی نشستیں تھیں جو تقریباً تمام کی تمام پُر ہو چکی تھیں۔ سامنے مسلم لیگ کی دونوں جماعتیں تھیں جن کے سربراہ محمد علی جناح اور سر محمد شفیع' نمایاں طور پر دکھائی دے رہے تھے۔ وہیں پر ڈاکٹر اقبال بھی تھے۔ دائیں طرف خلافت کمیٹی کے ارکان تھے جن میں مولانا شوکت علی اور مولانا محمد علی تھے۔ بائیں طرف جمعیت العلماء ہند کے باریش چند پوش نمائندے تھے جن میں مولانا حسین احمد مدنی اور شبیر احمد عثمانی شامل تھے۔ ان تینوں بڑی جماعتوں کے بیس بیس منتخب نمائندے شرکت کی غرض سے آئے تھے۔ ان کے پیچھے معزز اور منتخب نمائندوں کی نشستیں تھیں۔ ہندوستانی مسلمان امراء جو اپنی شان و

UrduPhoto.com

شوکت کی وجہ سے سمندر پار تک مشہور تھے' اپنے بیش قیمت آرائشی پگڑیوں اور تقریبی لباسوں اور خطابوں کے ہمراہ آئے تھے۔ ان کے مخملیں لبادوں پر قیمتی دھات کے تاروں کی کشیدہ کاری کی ہوئی تھی اور انہوں نے چمکدار ستاروں والی خاندانی ٹوپیاں پہن رکھی تھیں۔ چند ایک نے صبح کا انگریزی لباس بھی پہن رکھا تھا۔ وہ سادہ مگر بااختیار انداز میں ٹانگیں پھیلائے آرام دہ نشستوں پر پھیلے ہوئے تھے۔ ان کی نظریں خوابیدہ اور بے مصرف تھیں۔ ان کے پیچھے ننگے سروں اور ادھ ننگے جسموں کا ایک سمندر تھا جو دور تک پھیلا ہوا تھا۔ یہ وہ لاتعداد' غیر اہم لوگ تھے جو ہر تحریک اور تبدیلی کی پشت پر آخری اور اصل قوت ہوتے ہیں۔ وہ تیز' بے صبر اور مشتاق چہروں کے ساتھ کارروائی شروع ہونے کا انتظار کر رہے تھے۔ کانگرس کے جلسوں کے برعکس اس جلسے میں مسلمان عورتوں میں پردے کے رواج کی سختی کے باعث خواتین کی تعداد نہ ہونے کے برابر تھی۔ چنانچہ جب نعیم اور عذرا جلسہ گاہ میں داخل ہوئے تو بہت سی متجسس نگاہیں ان کی طرف اٹھ گئیں۔ وہ دونوں محتاط' بے لوچ چال سے چلتے' ہجوم سے اپنے آپ کو الگ رکھتے ہوئے' آ کر امراء اور عوام کی درمیانی نشستوں پر ایک جگہ بیٹھ گئے۔ بیٹھتے ہوئے نعیم نے ایک اچٹتی ہوئی نظر اپنی بیوی پر ڈالی۔ اس کے چہرے پر کوئی تاثر نہ تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد ہز ہائی نس سر آغا خان اپنے ذاتی عملے اور استقبالیہ کمیٹی کے ارکان میں گھرے ہوئے داخل ہوئے۔ تمام لوگ اٹھ کر احتراماً کھڑے ہو گئے۔ آغا خان صبح کے سفید انگریزی لباس میں تھے۔ انہوں نے چھڑی والا ہاتھ [illegible] جسم کے [illegible] چال سے چلتے ہوئے سٹیج کی سیڑھیاں چڑھ کر کرسی صدارت پر بیٹھ گئے۔ بھرے پنڈال میں موت کی خاموشی چھا گئی۔ اس اچانک سناٹے میں دفعتاً نعیم نے اپنے آپ کو ان گنت انسانوں میں گھرا ہوا محسوس کیا۔ اپنی موجودگی کو محسوس کیا اور ہزاروں انسانوں کی اور اپنی بیوی کی موجودگی کو محسوس کیا اور آنکھوں کے کونوں میں سے اس کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر رنگ جھلک آیا تھا اور بڑی بڑی مائع آنکھوں سے جذبات ظاہر تھے۔ وہ کرسی کی پشت کو چھوڑ کر سیدھی بیٹھی ہوئی صدر کو دیکھ رہی تھی۔ مسحور اور مضطرب آغا خان نے سفید ہیٹ اتار کر میز پر رکھ دیا اور چھڑی اس کے ساتھ کھڑی کر دی۔ انہوں نے کسی اعصابی جھلاہٹ کا اظہار نہ کیا۔ نعیم کے دل میں جلن سے ملتا جلتا ایک جذبہ پیدا ہوا۔ وہ ارادتاً کسمسایا اور سیدھا عذرا کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

اسی پگھلی ہوئی' تحیری حالت میں عذرا نے اس کے بازو پر ہاتھ رکھا اور گرم سرگوشی میں' خیالات کی شدت سے رک رک کر بولی:

"ابھی وہ بولیں گے تو سننا' وہ بہترین انگریزی۔"

نعیم کی آنکھوں میں سرد غصہ دیکھ کر وہ ٹھٹک گئی اور اس کا چہرہ زرد پڑ گیا' اگلے لمحے وہ کانوں تک سرخ ہو گئی۔ اس نے مضبوطی سے ہونٹ بند کر لئے اور نیچے دیکھنے لگی۔

کافی دیر کے بعد جب نعیم کے ذہن نے کام کرنا شروع کیا تو سٹیج پر سر شفیع کہہ رہے تھے:

''......میں پنجاب مسلم لیگ کو آل انڈیا مسلم لیگ میں مدغم کر دینے کے ریزولیشن سے اتفاق کرتا ہوں اور اسے محمد علی جناح کی قیادت میں دیتا ہوں اور خود بھی ان کی قیادت قبول کرتا ہوں۔''

تالیوں اور نعروں کے شور میں سر شفیع اور محمد علی جناح بڑھ کر آپس میں گلے ملے اور دیر تک مصافحہ کرتے رہے۔

''آج ہندوستان کی مسلمان جماعت ایک......'' سر شفیع نے کہنا شروع کیا۔

''جماعت نہیں' قوم کہو۔'' محمد علی جناح خفگی سے انگریزی میں بولے۔

''ہندوستان کی مسلمان قوم ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو گئی ہے۔'' انہوں نے کہا اور اچٹتی ہوئی نگاہ صاحب صدر پر ڈالی جو بے حد اداس نظر آ رہے تھے۔

اس مقام پر اس کا ذہن پھر تاریکی میں چلا گیا اور احساس اوپر آ گیا۔ وہ اکیلا بیٹھا تھا' وہ ہزاروں انسانوں میں گھرا ہوا بیٹھا تھا' اس کے پاس اس کی بیوی بیٹھی تھی جس کے لئے اس کے دل میں کوئی جذبہ نہ تھا۔ وہ برسوں تک ساتھ ساتھ رہے تھے' ساتھ سوتے جاگتے ہوئے اجنبی تھے۔ وہ بے شرمی کی حد تک نفسانی اور خوبصورت تھی' وہ محبت کرنے والی عورت تھی' وہ بیہودہ عورت تھی' وہ اونچے طبقے کی عورت تھی' وہ بدقسمت تھی' وہ تہذیب و تمدن کی عورت تھی وہ ایک کھا مرد تھا' نکما اور نادار' معمولی' بے حد معمولی۔

''ریزولیشن پاس کیا جاتا ہے۔'' ایک شخص' جو شکل و شباہت سے اہم دکھائی دیتا تھا' مائکروفون پر کہہ رہا تھا۔ ''یہ نتیجہ وہ [illegible]''

اس کی بات ختم ہونے سے پہلے مولانا محمد علی کود کر سٹیج پر چڑھے اور اپنے مخصوص جوشیلے انداز میں اسے پرے دھکیل کر مائکروفون پر قبضہ جمالیا۔

''لیکن اس طرح ہم جائنٹ الیکٹریٹ کو قبول نہیں کر سکتے۔'' انہوں نے کہنا شروع کیا۔ ''سیاست چند مادی فوائد کا نام ہے۔ وہ اگر ہماری شرائط ماننے پر تیار ہیں تو ہم جائنٹ الیکٹریٹ قبول کرتے ہیں ورنہ نہیں۔ اس کے لئے انہیں ہم کو تحفظ حقوق (Reservation of Seats) دینا ہو گا۔ تیسرا حصہ مرکز میں اور صوبوں میں بھی Weightage۔'' انہوں نے سوالیہ نظروں سے مجمع کی طرف دیکھا۔ یہ موقع پا کر پہلا شخص' جو ریزولیشن کا اعلان کر رہا تھا' پھرتی سے آگے بڑھا اور مولانا سے تیز تیز باتیں کرنے لگا۔ اس کے انداز سے انکساری اور منت ظاہر تھی۔

مائکروفون کو خالی دیکھ کر ایک شخص جو آغا خان کے کان کے پاس جھکا ہوا تھا' آگے بڑھا اور گھبرائی ہوئی آواز میں لنچ کے وقفے کا اعلان کرنے لگا۔

''دوسری نشست دوپہر کے کھانے کے بعد ہو گی۔'' اس نے کہا۔ مولانا محمد علی نے تیز نظروں سے اسے دیکھا۔ لیکن اسی وقت صاحب صدر اٹھ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے اپنا ہیٹ اٹھا کر سر پر رکھا اور سٹیج سے اتر آئے۔ مائکروفون کے پاس سے گزرتے ہوئے ان کا ایک فقرہ لوگوں کو سنائی دیا۔ وہ انگریزی میں کہہ رہے تھے:

''محمد علی کو سنبھالے رکھو، لنچ کے وقفے میں اسے مت بولنے دینا۔''

مولانا کے گرد بہت سے لوگ اکٹھے ہو رہے تھے۔ سٹیج کے بائیں طرف بیٹھے ہوئے خلافت کمیٹی کے ارکان برافروختہ چہروں کے ساتھ ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔

وہ دونوں اپنی جگہ سے اٹھے اور احتیاط کے ساتھ ہجوم سے اپنے آپ کو بچاتے ہوئے جلسہ گاہ سے باہر نکل آئے۔ ایک بار پھر بہت سے سراس زرد رو، باوقار خاتون کی جانب مڑ گئے۔ روشن محل کی سیڑھیوں پر وہ اسی طرح جدا ہو گئے۔ انہوں نے کوئی جذبہ، کوئی شناسائی محسوس نہ کی۔ انہیں یکجا رکھنے والی کوئی قوت ان کے درمیان باقی نہ رہی تھی۔ اسی شام کو نعیم روشن پور لوٹ آیا۔

اسی سال چھ اپریل کو ''ڈنڈی ساحل'' پر مہاتما گاندھی نے نمک سازی کا قانون توڑ کر ''سول نافرمانی'' کا آغاز کیا۔

(۴۷)

ہندوستان [illegible] شہ [illegible] بیل [illegible] ہو جاتی تھیں اور جنگلی گلاب جگہ جگہ کھلنے لگتا تھا اور خوش حال شہد کی مکھیاں اپنے اپنے چھتے پر کر کے تازہ شہد کی خوشبو سے بدمست، شفاف اور چمکدار فضا میں اڑتی پھرتی تھیں اور کھیتوں میں گیہوں اور چنے کی فصل تیار کھڑی ہوتی تھی۔ یہ بہار کے آخری دن تھے جب ہواؤں میں خوشگوار حرارت پیدا ہونے لگتی ہے۔ آسمان کا رنگ جو جاڑوں میں گہرا نیلا تھا، گدلا دودھیا ہو جاتا ہے اور شاخوں پر پھول مرجھا مرجھا کر دوبارہ کھلتے ہیں اور چڑیاں کوے دوپہر کو آسمان پر ادھم مچانے کی بجائے سایہ دار درختوں اور مکانوں کی چھتوں میں آرام کرنے کے لئے چلے آتے ہیں اور بدلتے ہوئے موسم کا مخصوص، بہت اداس کر دینے والا، شدید حسن سارے دنوں میں دور دور تک پھیلا رہتا ہے۔

گاؤں کے باہر نعیم کی حویلی میں نمک بن رہا تھا۔ حویلی مدت سے بند پڑی تھی اور باغ ویران ہو چکا تھا۔ پانی کی نالیاں سوکھی پڑی تھیں اور دو ایک جگہ مردہ کوے گرے پڑے تھے اور آغاز گرما کی الجھتی ہوئی ہواؤں میں زرد رو پتے ان پر سے اڑتے ہوئے گزر رہے تھے۔ گھر کے مالکوں میں سے کوئی بھی وہاں پر نہ تھا۔ شیشم کے ایک قدیم درخت کے نیچے گاؤں کے تمام نوجوان جمع تھے۔ انہوں نے بجلی سے مرا ہوا ایک درخت کاٹ کر آگ جلا رکھی تھی۔ آگ پر گڑ بنانے والا کڑاہ دھرا تھا جس میں پانی ابل رہا تھا۔ وہ سب خاموش، پُراشتیاق چہروں کے ساتھ ادھر ادھر پھر رہے تھے اور وقفے وقفے سے آگ جلا رہے تھے۔ دن کا تیسرا پہر جا رہا تھا۔ وہ اب باتیں کر کر کے اور آگ جلا جلا کر تھک چکے تھے۔ صبح سے دوپہر تک کئی بار کڑاہ کا پانی ابل کر خشک ہو چکا تھا پر نمک کہیں پر بھی دکھائی نہ دیا تھا۔

اب سارے کسان لونڈے جھلا گئے تھے اور ایک دوسرے سے اُلجھ رہے تھے۔

''کچھ منہ سے بول' کوؤں کے سردار۔ باپ کی حویلی میں نمبردار بنے بیٹھے ہو۔'' لمبے گالوں والے پرتاپے نے کہا۔ علی اپنے سیاہ رنگ پر طنز سن کر لال ہوگیا' مگر خاموش بیٹھا رہا کیونکہ نمک بنانے کے سلسلے میں وہ دوسرے سے زیادہ کچھ نہ جانتا تھا اور سب سے اونچی اور چودھراہٹ والی جگہ پر بیکار اس لئے بیٹھا تھا کہ وہ اس کے بھائی کا باغ تھا۔

''ان کو بتاؤ پانی سے گڑ کیسے بنتا ہے۔'' گنجے علی بخش نے کہا اور اکیلا ہنسنے لگا۔

پیدائشی گنجا علی بخش خاموشی سے ٹوپی میں تمباکو جما کر آگ دھرتا رہا' پھر حقہ لے کر دوسروں سے ہٹ کر جا بیٹھا۔ وہ طبعاً خسیس آدمی تھا اور اپنے تمباکو میں سے کسی کو حصہ نہیں دینا چاہتا تھا۔ اس سے پرے راول اپنی بال دار پنڈلیوں پر سے کپڑا اٹھا کر اسے دکھاتے ہوئے کہہ رہا تھا کہ یہ ٹانگیں مرد کی ٹانگیں تھیں اور اس کی ملائم اور چکنی ٹانگوں پر چونکہ بال نہ تھے اس لئے وہ عورت کی ٹانگیں تھیں۔ بختو کھا جواب میں کہہ رہا تھا کہ راول کی ٹانگیں ریچھ کی ٹانگوں کی مانند تھیں۔ کچھ دیر کے بعد ان کی بحث خاموشی پر ختم ہوگئی اور راول حقے کی طرف دیکھنے لگا۔ گنجا علی بخش خطرہ محسوس کرکے جھگڑنے کا کوئی بہانہ تلاش کرنے لگا۔

''کیوں بے' خاموش کیوں بیٹھا ہے؟ عائشہ کا دکھ لگا ہے؟'' وہ بولا۔

''[illegible]'' [illegible] نے جواب دیا۔

گنجا ہنسی کرکے ہنسا۔ ''تیرے سر میں بھوسا بھرا ہے۔ وہ تو میری ماں سے بڑی جوان ہے۔''

راول لال پیلا ہوکر اٹھا اور اس کے سر پر آ کھڑا ہوا۔ ''اور بک بک کی تو تیری گانٹ توڑ دوں گا۔ گنجے خسیس۔'' وہ آنکھیں نکال کر بولا۔ گنجا اس اچانک حملے سے گھبرا گیا اور دونوں ہاتھ زمین پر رکھ کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔ راول کچھ دیر تک اسی انداز میں آنکھیں نکال کر اس پر جھکا رہا' پھر جھٹکے کے ساتھ حقہ اٹھا کر خفگی سے مڑ کر اس کی طرف دیکھتا ہوا اپنی جگہ پر جا بیٹھا۔

جب حقہ پی پی کر اس کا غصہ اتر گیا تو گنجا علی بخش حقہ واپس لینے کی غرض سے اس کے پاس جا بیٹھا اور اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے لگا۔

جب سارے کنوؤں کا پانی باری باری ابالا جاچکا اور کچھ بھی نہ بنا تو علی کو سوجھا کہ کھارے کنوئیں کا پانی آزمایا جائے۔ چنانچہ اس کے مشورے سے کھارے پانی کے تین گدھوں پر لاد کر لائے گئے اور کڑاہ بھر دیا گیا۔ پانی ابلنے لگا اور سب ایسی چمکتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھنے لگے کہ کبھی فصل کے پھوٹنے کو بھی نہ دیکھا ہوگا۔ ابلتے ابلتے جب پانی دو انچ نیچے چلا گیا اور خشک جگہ پر سفید سفید نمک چھوڑ گیا تو بہت سوں نے یک زبان ہوکر کہا: ''نمک'' اور اس پر جھپٹ پڑے۔ ہر ایک نے باری باری انگلی مل کر اسے چکھا۔

''نمک ہے..... نمک۔'' پرتاپے نے پوری آواز سے چلا کر کہا۔

UrduPhoto.com

''ٹھہر بے کھانا نہیں۔'' سنتو کھ سنگھ اس کا بازو جھٹک کر بولا۔ ''کیا پچ گیا ہے۔''

''پر بن تو گیا۔''

''ہاں ہاں' بن تو گیا۔''

سب نوجوان کڑاہ کے گرد گھیرا ڈال کر بیٹھ گئے اور بچوں کی طرح مسرور اور مشتاق نظروں سے ابلتے ہوئے پانی کو دیکھنے لگے۔ چند ہی لمحوں میں بجلی گرا ہوا درخت ٹکڑے ٹکڑے کر کے آگ میں جھونک دیا گیا اور سہ پہر کی دھوپ کے باوجود شعلے' جو کڑاہ سے اوپر اٹھ رہے تھے' کسانوں کے جھکے ہوئے مضبوط ہڈیوں والے چہروں پر جھلملانے لگے۔

پانی کی سطح برابر نیچے جا رہی تھی اور وہ ہر دم گاڑھا اور گدلا ہوتا جا رہا تھا۔ کچھ دیر کے لئے وہ سب خوشی کے اولیں اثر سے گنگ ہو گئے۔ پھر ایکا ایکی اٹھ کر علی پر ٹوٹ پڑے۔ سنتو کھے نے علی کو کندھوں پر اٹھا لیا اور ناچنے لگا۔ اس کے گرد تمام لڑکوں نے ناچنا اور گانا شروع کر دیا۔ بیچ بیچ میں وہ رک رک کر خوشی کے نعرے لگانے لگتے۔ ان میں سے ایک نے بھی شراب نہ پی رکھی تھی' لیکن ایک نامعلوم نشہ تھا جو ان کے حواس پر طاری تھا۔ ناچتے ناچتے ان میں سے کئی ایک نے تہمد نکال دیے تھے۔ یہ وہ پاگل خوشی کا منظر تھا جو کسانوں میں کبڈی کے مقابلوں یا فصل کے موقعوں پر دیکھنے میں آتا ہے۔ وہ تمام اس وقت کسانوں کے فحش عشقیہ گانے اور دلاوری کی داستانیں گا رہے تھے۔ کوئی لے نمبر [illegible] کا ماہیا [illegible] کندھوں پر بیٹھا تھا اور اس کا سیاہ رنگ خون کی یورش کی وجہ سے رگڑے ہوئے تانبے کا سا ہو رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں فتح مندی کی وحشیانہ چمک تھی اور وہ بازو ہوا میں پھینک کر چیخیں مار رہا تھا۔ ایک شخص' جو اس دیوانے گروہ میں شامل نہ تھا' راول تھا۔ وہ سب سے الگ اپنی جگہ پر بیٹھا زہریلی' بدنما نظروں سے علی کو دیکھے جا رہا تھا۔

جب وہ ناچ ناچ کر نڈھال ہو گئے تو بیٹھ کر ہانپنے لگے۔ پانی اب سوکھ چلا تھا۔ انہوں نے کڑاہ اتار کر نیچے رکھا اور دو لونڈے گاؤں کو دوڑا دیے۔ گاؤں میں یہ خبر آگ کی طرح پھیل گئی۔ دیکھتے ہی دیکھتے بوڑھے اور ادھیڑ عمر کسان مٹھی مٹھی بھر اناج لے کر اپنے اپنے گھروں سے نکل پڑے۔ کٹائی میں ابھی چند دن باقی تھے اور بعض کسانوں کے گھروں میں چند پاؤ اناج رہ گیا تھا۔ لیکن اس وقت انہوں نے اناج والوں سے کہا:

''ایک پاؤ اناج دے دو۔ کٹائی پر سیر بھر لے لینا۔''

''کھانے کو؟''

''نہیں' نمک کے لئے۔''

''لے لو' لے لو..... تم بس پہر بھر آ کر کٹائی کرا دینا۔'' امیر کسانوں نے کہا۔

اور اس طرح مٹھی بھر اناج کے بدلے انہوں نے محنت کا سودا کیا۔ اپنا اپنا اناج لا کر انہوں نے پھیلی ہوئی چادر پر ڈالا اور چٹکی چٹکی بھر نمک لے کر گھروں کو لوٹ آئے۔

"چلو اچھا ہوا۔ گھر میں نمک بھی نہ تھا۔" ایک بوڑھے کسان نے نمک کو پگڑی کے کونے میں باندھتے ہوئے کہا۔

"اچھا کیا ہوا" پیچھے آتا ہوا سرخ داڑھی والا کسان بولا، یہ کھانے کے لیے نہیں ہے۔

"ایں؟"

"مجھے پرتاپے نے بتایا تھا۔"

"کیا بتایا تھا؟"

"صرف قانون توڑنے کے لیے ہے۔" سرخ داڑھی والے نے زمین پر تھوک کر کہا۔ "یہ اچھا نمک نہیں ہے۔"

"سوروں نے اچھا سودا کیا ہے۔" پہلے کسان نے ہنس کر کہا اور زور سے زمین پر تھوکا۔

جلد ہی آس پاس کے گاؤں میں خبر پہنچ گئی اور رات گئے تک دوسرے قصبوں سے لوگ آتے رہے۔ وہ میلوں میں جاتے ہوئے کسانوں کی طرح ٹولیوں میں صف کرتے ہوئے اور نمک کی جمی ہوئی کھردری ڈلیوں کو سروں کے گرد گھماتے ہوئے واپس لوٹے۔ جب سارا نمک ختم ہو گیا اور رات گہری ہوگئی اور وہاں کوئی بھی نہ رہا سوائے ان لڑکوں کے جنہوں نے نمک بنایا تھا تو خاموشی کے اس وقفے میں دفعتاً ان پر اپنی لاقانونیت اور جرم کا انکشاف ہوا۔ عجلت کے ساتھ اٹھ کر انہوں نے اناج کی گٹھڑی جس میں گیہوں، جوار، باجرہ، مکئی، سبھی کچھ تھا باندھی اور اسے دورہ کرتی ہوئی پار[illegible] تھے۔ پھر انہوں نے کڑاہ کو اٹھا کر چولہے میں اوندھا گرایا، تازہ مٹی میں اسے دفن کیا اور اوپر خشک مٹی ڈال کر زمین ہموار کر دی۔ پھر وہ اسی نامعلوم خوف کے زیرِ اثر خاموشی سے اپنے اپنے گھروں کی طرف چل پڑے۔

راول اندھیرے میں درخت کی جڑ کے پاس بیٹھا رہا۔ اس نے کسی کام میں حصہ نہ لیا تھا۔ جب علی گروہ کو چھوڑ کر گھر کی طرف جانے والی پگڈنڈی پر مڑا تو وہ اٹھ کھڑا ہوا اور تیزی سے کھیتوں کے بیچوں بیچ اس کی جانب بڑھا۔

گاؤں کا پہلا گھر ابھی دو کھیت دور تھا جب علی نے اپنے پیچھے تیز تیز قدموں کی آواز سنی۔ وہ رُک گیا۔ چاند کی مدھم روشنی میں آنے جنگلی بلے کی سی پھرتی کے ساتھ اس کے قریب آ کھڑا ہوا۔ چند لمحے تک وہ خاموش کھڑے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ پھر آنے والے نے زمین پر تھوکا۔

"تم آج کتے کے بچے کی طرح شور مچا رہے تھے۔ ہیں؟"

علی نے نیم تاریکی میں راول کی آواز پہچان لی۔

"تم نے آج بہت کام کیا ہے۔ تھک گئے ہو گے، جاؤ جا کر آرام کرو۔" علی نے طنز سے کہا۔

"آج ہم میں سے ایک ہی آرام کرے گا۔" راول نے مٹی کے ڈھیلے کو ٹھوکر ماری۔ ڈھیلا ٹوٹ گیا اور سیاہ مٹی اڑ کر علی کی ٹانگوں پر پڑی۔ اس نے ہوا میں گالی دی۔ "میں بدلہ لینے آیا ہوں۔"

"مجھے تم سے کوئی بدلہ نہیں لینا۔"

"بزدل، حرامی۔"

"میں عورتوں کے لیے کسی سے نہیں لڑتا۔" علی نے ٹالتے ہوئے کہا۔

"گائے کے بچے، حرامی..... اپنی ماں کے لیے بھی نہیں لڑو گے؟"

علی کی رگیں آہستہ آہستہ کھنچنے لگیں۔ کئی لمحوں تک وہ آمنے سامنے کھڑے اجنبی جانوروں کی طرح ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ پھر انہوں نے کپڑے اتارے اور ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑے۔

وہ اچھل اچھل کر چیخ چیخ کر ایک دوسرے پر وار کرتے رہے۔ دونوں خالی ہاتھ تھے لیکن اپنی بہترین اور مضبوط ترین انگلی کے جوڑوں سے ایک دوسرے پر چوٹ لگا رہے تھے۔ ان کے پاؤں میں سے گرد اٹھ رہی تھی اور آہستہ آہستہ ان کو اپنی لپیٹ میں لے رہی تھی۔ اس خاموش اور نیم تاریک رات میں گرد و غبار کے درمیان وہ دیر تک رقابت اور دیوانگی کا ناچ ناچتے رہے حتیٰ کہ ان کے جسم گرد اور پسینے سے اَٹ گئے اور وہ منہ کھول کر ہانپنے لگے۔ پھر رفتہ رفتہ علی تھکنا شروع ہوا۔ اسے ہمیشہ سے راول کی برتری کا احساس تھا لیکن اب اس نے واضح طور پر اپنی طاقت زائل ہوتی ہوئی محسوس کی اور پہلی بار اس کے دل میں نوعمری کے خوف نے سر اٹھایا۔ اپنے مقابل کو سست پا کر راول نے سیاہ درندے کی طرح ہوا میں جست بھری اور چاروں ہاتھوں پاؤں کی بھرپور کوشش سے علی کو دبوچ کر نیچے گرا لیا۔ پھر اس کے اوپر جم کر اس نے اس کی بغلوں میں گھٹنے دیے اور گردن کو مروڑنا شروع کیا۔ علی بلبلا اٹھا۔ اس کی لمبی وحشیانہ چیخ [illegible] دور [illegible] ساتھ والے کھیت میں سرخ داڑھی والا کسان سو رہا تھا۔ چیخ سن کر وہ اٹھا اور کاہلی سے چلتا ہوا ان کے سر پر آ کھڑا ہوا۔ کچھ دیر تک کمر پر ہاتھ رکھے انہیں دیکھتے رہنے کے بعد گرد کی وجہ سے کھانسنے لگا اور حلق صاف کرتا ہوا واپس لوٹ گیا۔

"جانے کب پولس آ جائے اور لونڈوں کو مستی آئی ہے۔" وہ بڑبڑایا۔

اب راول تھوڑے تھوڑے وقفوں پر اس کی گردن کو دبا رہا تھا اور علی گہری گہری کربناک مختصر چیخیں مار رہا تھا۔

"مت چلاؤ۔ حرامی۔"

علی خوفزدہ ہو کر خاموش ہو گیا۔

"میں تمہیں قتل کر سکتا ہوں۔" راول نے اطمینان سے کہا۔

"کیوں؟"

"اس کو لے کر تم ماں کی ٹانگوں میں نہیں بیٹھ سکتے۔"

"کیوں؟" علی نے اسے باتوں میں لگانا چاہا۔

"تمہیں پتا نہیں؟" راول نے سارا بوجھ اس کی گردن پر ڈال دیا۔

علی کے حلق سے چیخ اور گالی ایک ساتھ نکلی۔

جب راول گردن دباتے دباتے تھک گیا تو خاموش اس کے اوپر بیٹھ گیا۔ علی ذرا دیر کے بعد ہوش میں

آ کر گلے کی رگوں کو ملنے لگا۔

''تمہارے جسم سے بو آ رہی ہے۔ اٹھو۔'' پھر اس نے چالاکی سے کہا۔

''کیوں؟ میں کتا ہوں؟ بیل ہوں؟'' راول نے اس کی گردن پر بوجھ ڈالتے ہوئے کہا۔

''میں کتا ہی تھا۔ بیل ہی تھا۔ لو۔ میں اس کے قابل نہ تھا۔ میں کتا ہوں۔ بیل ہوں۔ لو۔''

علی تکلیف کی شدت سے پھر چیخنے لگا۔ دوسری دفعہ جب راول دم لینے کو رکا تو علی نیچے سے رو کر بولا:

''میری فصل کھڑی ہے اور میرا بھائی یہاں نہیں ہے اور تم؟''

''میں تیری فصل کی پروا نہیں کرتا۔ تیری فصل کی ماں......''

''تو کیا یہاں رہے گا، سور؟ تیری فصل کو بھی چوہے کھائیں گے۔''

راول کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ وار کاری پڑتا دیکھ کر علی پھر بولا: ''پولیس یوں بھی آنے والی ہے۔ وہ تجھے پکڑ کر لے جائیں گے اور تیری فصل کا بھی نقصان ہوگا۔ بات تو کنائی تک رہے گی پھر میں خود تم سے لڑوں گا۔ میں کوئی بزدل ہوں؟''

راول نے جواب دینے کی بجائے دونوں گھٹنوں کا بوجھ اس کی گردن پر ڈال دیا۔ علی کی چیخیں لحظہ بہ لحظہ تیز ہوتی گئیں اور وہ بچوں کی طرح رونے لگا۔ آخر شدید اذیت کی وجہ سے وہ بے ہوش ہوگیا۔

راول [illegible] پھر [illegible] علی کی پیٹھ پر تھوکا۔

''ابھی اتنا ہی کافی ہے۔ پھر کنائی کے بعد سہی۔''

آہستہ آہستہ کھیتوں کی گرد بیٹھ گئی اور فضا میں رات کی صاف ہوا چلنے لگی۔ لیکن ضربات کی شدت سے علی صبح تک وہیں پڑا رہا۔

اس سے ٹھیک چوتھے روز نعیم پشاور سٹیشن پر جا اترا۔ اس اجنبی سرزمین پر قدم رکھتے ہی سب سے پہلا خیال جو اس کے دل میں آیا امیر خان کا تھا، اس کا لنگڑا دوست جو کئی سال پہلے ایک مشترکہ دکھ میں اس کا ساتھی رہا تھا اور جس سے دوبارہ ملنے کا اس نے وعدہ کیا تھا۔ اس وقت مصروفیت کے باوجود دفعتاً پرانی رفاقت کا احساس حزیں اس کے دل میں جاگا اور وہ کہ محبت کا محتاج تھا سب سے پہلے اس سے ملنے کو روانہ ہوگیا۔

امیر خان کا گاؤں پشاور کا ایک نواحی گاؤں تھا جو پتھروں کے ایک بہت بڑے ٹیلے کے پیچھے چھپا ہوا تھا۔ جب نعیم اس ٹیلے پر چڑھا تو سارا گاؤں اس کے سامنے آ گیا۔ رات پڑنے والی تھی اور پتھریلے مکانوں کے صحنوں میں کہیں کہیں دیے جل رہے تھے۔ صرف گاؤں کے ایک کونے میں بہت سی روشنی تھی جہاں دو تین مکانوں میں ننگی آگ کی مشعلیں دھڑا دھڑ جل رہی تھیں اور ان کی سرخ روشنی سیاہی مائل فضا میں آسمان کی طرف اٹھ رہی تھی۔ وہ گاؤں ایک دوسرے مخروطی شکل کے ٹیلے پر واقع تھا۔ مکانات ٹیلے کی ڈھلانوں پر اوپر نیچے بنے ہوئے